

یہ رائے قائم کی گئی کہ جو مقاصد اور اصول ہمارے پیش نظر ہیں ان کے نتیجے میں کام کرنے کا موقع یہاں نہیں مل سکتا۔
خود میرا بنیادس مہینہ کا تجربہ بھی اسی پر شاہد تھا۔ لہذا یہ طے ہوا کہ ادارہ کام کر یہاں سے کسی مناسب تر مقام پر
منتقل کر دیا جائے، اور اس کے لیے متعدد حیثیات سے لاہور کو پسند کیا گیا۔

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں ہمیں کسی زمین کی خاک سے کوئی دلچسپی و محبت نہیں ہے۔ محبت اس
انصافِ عین سے ہے کہ اللہ کا کلمہ سب کلموں پر غالب اور اس کا قانون سب تو زمین سے بالاتر ہو۔ اس لیکچر تصوف
کے کچھ جہاں جہاں جانے کی ضرورت ہوگی جائیں گے اور جس جس سرزمین کی خاک چھاننی پڑیگی چھانیں گے۔
مقصد اگر عزیز ہے تو اس کے لیے ہر زحمت گوارا ہونی چاہیے، اور زحمت اگر خوفناک ہے تو مقصد کا نام بھی
زبان پر نہ آنا چاہیے، خصوصاً دارالاسلام جیسے مقصد عالی کا نام جسے زبان پر لانے کا حق ہی اس وقت تک
کسی کو نہیں بنتا جب تک کہ اس کے قلب پر لاکھوں تین لاکھوں اکن تھوڑے مسلمانوں کی غمیت اور اِتِّ
اللہ انشأزی من المؤمنین انفسہم و اموالہم بآت لہم الجنۃ کے سو ڈپر کاہل
رضامندی ثابت نہ ہو جائے۔

اس نقل مقام سے ادارہ کے دستور العمل اور لائحہ عمل میں ان شاء اللہ یک سر مو فرق نہ آئے گا۔ البتہ
اس لائحہ کا صرف یہ حصہ سردست معرض التوی میں رہے گا کہ شہری آبادی سے ہٹ کر ایک علیٰ مقام میں لانا
ماحول پیدا کیا جائے اور وہاں تعلیم و تربیت کے اسباب فراہم کئے جائیں۔ بلاشبہ ہی اس ساری اسکیم کی جان
ہے، لیکن جس خدا کے نام پر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے اس سے کچھ بعید نہیں کہ اس کا بھی سامان کر دے و کسا
ذالک علی اللہ بعزین۔

ادارہ کا باقاعدہ قیام اگرچہ حال ہی میں ہوا ہے، لیکن اس کے لیے عملی جدوجہد شروع ہوئے

پورا ایک سال ہو چکا ہے۔ مناسبتاً موم ہوتا ہے کہ اس ایک سال کے واردات و صادرات کا خلاصہ ازلی لقمہ ۲۵۸ - ۰ - ۶ جنوری ۱۹۳۰ء تک پیش کر دیا جائے۔

جمع	خرچ
۸۸۸-۲-۹	طباعت لٹریچر
۲۰۰-۰-۰	ڈاک خرچ
۲۵۷-۲-۳	اسٹیشنری
۳۸-۵-۰	متفرق سامان کے اخراجات اور اداریہ
۲۶-۱۰-۹	تنخواہ ملازمین
۲۹-۸-۰	قرض حسنہ بنام عزیز ہندی صاحب
۱۵۷۹-۱۳-۹	مصارف اور عزیز ہندی صاحب
	خیرات زکوٰۃ
	۲-۲-۰
	۱۰۹۵-۱-۶
	۱۵۷۹-۱۳-۹
	۱۰۹۵-۱-۶
	۲۸۴-۱۲-۳

جملہ آمدنی

جملہ خرچ

بقایا

اس بقایا میں شاخ چوہری نیازی خانیہ کے طالبہ پر ۲۵۲ روپے ۱۲ ان کے نقد و اس کے لئے اور اسٹیشنری (جو جنوری ۱۹۳۰ء تک)

درکار ہے موجود تھی) اور وہ سامان جو ضروریہ ادارہ کیلئے خریدا گیا تھا ان کے حوالہ کر دیا گیا۔ اس طرح درست جملہ حساب و باقی

لے مکان کے مراد مکان موقوفہ پر اور غلہ کے مراد زمین کی پیداوار ہی جو ارکان ادارہ نے استعمال کی ہیں ان کے لئے مکان اور قیمت غلہ کی قیمت

دراصل چوہری نیازی خانیہ کے ٹرسٹ کو ادا کیا گیا تھا اس ڈسٹریکٹ کے ادارہ کے بہت المال میں داخل ہوئی تھیں۔

کرنے کے بعد ادارہ کی خزانہ میں صرف ایک سو تیس روپے باقی ہیں، اور سامان کی صورت میں کچھ موجود نہیں۔
 (اس موقع پر مجھ پر یہ بیان کر دیا کہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ذاتی طور پر میں اور میرا سالہ ترجمان القرآن کسی شخص یا جماعت کی مالی اعانت کا کبھی شرمندہ احسان نہیں ہوا۔ میں یہاں اپنے خرچ پر آیا، اپنے خرچ پر رہا اور اپنی شخصی ذمہ داری پر سالہ چلا تا رہا۔ اس تصریح کی کوئی توجیہ تھی اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ بعض حضرات اس باب میں غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں)۔

اس حساب کی رو سے ہم ایک سو تیس روپے کا عظیم الشان سرمایہ بیٹے کے ہجرت کے بعد دوسرے سال کی سرحد میں داخل ہو رہے ہیں۔ دینیوی لحاظ سے یہ سرد سامان بہت حقیر ہے۔ شاید اسے دیکھ کر لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے کہ اس بل بوتے پر آپ کفر کی ان زبردست طاقتوں کا مقابلہ کرنے چلے ہیں جن کے سرمایہ کو اربوں اور سکھوں کے حساب سے بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اسلام کی تاریخ پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ یہ جب کبھی اٹھا ہے، بے سرو سامانی کے ساتھ ہی اٹھا ہے، اور اسی حال میں اس نے بڑی سرد سامان والی طاقتوں کے ساتھ مل کر لی ہے۔ لہذا سرمایہ کی قلت وہ چیز نہیں ہے جو ہمارا دل توڑنے والی ہو۔ ہاں! دل توڑنے والی چیز اگر کوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سینوں میں اُٹتے دل نظر نہیں آتے جو اسلام کی صحیح کیفیت سے سرشار ہوں۔ کاش، ان سو سو روپوں کے بجائے صرف سو اسیسے ہمارے بیت المال میں ہوتا مگر ہمارے ساتھ مردانِ حق کی ایک ایسی جماعت صفت بستہ ہوتی جن کے دل حب اللہ دنیا و کواہینہ للوقت سے خالی ہوتے۔ یہ ہے وہ اصلی سرمایہ جس کے فقدان کا ہمیں افسوس ہے۔ غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دولت نہیں اس لیے یہ کمزور ہیں۔ مسلمانوں میں دولت اب بھی موجود ہے مگر زیادہ تر ان طبقوں میں ہے جو خداؤں کی پوجا کرتے ہیں، مسجد میں خداوندِ عالم کی اور مسجد سے باہر شیطانِ نفس کی۔ اور جن طبقوں میں دولت نہیں ہے ان کے ضعف کا بھی اصلی سبب دولت کا فقدان نہیں بلکہ مہذبہ ذر کی بندگی ہے جسے راضی کرنے کی فکر ان میں سے بہتوں کو خدا سے بے فکر کر دیتی ہے۔ لیکن اس قوم کو سر سے پاؤں تک کھا گیا ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ اس میں حقیقی خدا پرستی زندہ ہوتی اور پھر یہ غلام ہوتی۔

ادارہ دارالاسلام کا دستور العمل تالیف ہوئے تقریباً تین مہینے ہو چکے ہیں۔ اس دوران میں ہمارے ارکان کی تعداد پانچ سو بیس ہو چکی اور خوشی کی بات ہے کہ تھپی رکن ایک خاتون ہیں۔ ان کے علاوہ حیدرآباد مدراس، پشاور، دہلی، لاہور اور پٹنہ سے چھ اصحاب نے اپنے آپ کو رکنیت کے لیے پیش کیا ہے لیکن بنا براحتی ان کو ابھی آزمائشی دور میں رکھا گیا ہے تاکہ کچھ مدت تک وہ اپنے نفس کا پورا احتساب کریں اور پہلے خود اس امر کا اندازہ کر لیں کہ آیا وہ رکنیت کی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے اپنے آپ میں پوری طاقت پاتے ہیں یا نہیں۔ معاہدین کی فہرست میں بھی چھ اصحاب نے اپنا نام پیش کیا ہے جسے قبول کر لیا گیا کیونکہ رکنیت کی نسبت اس باب میں کم چھان بین کی ضرورت ہے۔

رفتار ترقی کی سستی بجائے مایوس کن ہونے کے ہمارے لیے امید افزا ہے۔ ہمارے پیش نظر تعداد کی کثرت نہیں بلکہ کیفیت کی شدت ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ جن لوگوں تک اس ادارہ کا تخیل پہنچا ہے وہ اس کے وزن کو محسوس کر رہے ہیں، اور انھیں اس امر کا شعور ہے کہ اس ادارہ کی شرکت عام انجمنوں کی شرکت سے مختلف چیز ہے۔ اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے وہ لوگ بھی جو ہمارے مقاصد اور طریق کار سے کلی اتفاق رکھتے ہیں، اپنے آپ کو رکنیت یا معاہدین کے لیے پیش کرتے ہوئے جھکتے ہیں، اور جو اقدام کرتے ہیں ان کی محتاط پیش قدمی سے صاف تر شرح ہوتا ہے کہ وہ کسی ہنگامی جوش میں ایسا نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ ان کے گہرے فکر اور حقیقی شرح صدر کا نتیجہ ہے۔ فطری بات ہے کہ اس صورت میں رفتار ترقی تیز نہیں ہو سکتی مگر جتنی ترقی بھی ہوگی ان شاء اللہ مستحکم اور پائیدار ہوگی۔ اور ہم اپنے آپ کو اس وقت خوش نصیب سمجھیں گے جب اس ٹھنڈی رفتار کے ساتھ ہمیں آٹھ نو کروڑ مسلمانوں کی اس بستی میں سے پچاس مومن قانت مل جائیں گے۔

دوسری طرف بہت سے حضرات نے مراسلات میں بھی اور زبانی گفتگووں میں بھی مختلف قسم کے

شہادت کا اظہار کیا جن کا دائرہ اتنے وسیع مباحث پر پھیلا ہوا ہے کہ انھیں سمیٹنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ ان سے ہمیں یہ معلوم کرنے کا اچھا موقع مل گیا کہ اس وقت ہمارے ارباب فکر عموماً کس قسم کی انجمنوں میں مبتلا ہیں، اور ساتھ ہی یہ دیکھ کر اطمینان بھی ہوا کہ اس تمام ذہنی بظلمی کی تہ میں ایک حقیقی تجسس چھپا ہوا ہے جس کی تشنی کا سامان اگر ہم بیچ جائے تو ہماری قوم کی یہ ساری قوتیں جو فہنوں ضائع ہو رہی ہیں، رفتہ رفتہ ایک اجتماعی نصیبتین کی طلب میں لگ جائیں گی۔

ہر شبہ کا جواب برسر موقع دیا جاتا رہا ہے لیکن ایک خاص شبہ یہ بھی ہے جسے مختلف پہلوؤں سے مختلف حضرات نے پیش کیا ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ نسبتاً زیادہ عام ہے۔ لہذا ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ یہاں اسے بیان کر کے صاف کر دیا جائے۔ اس شبہ کا خلاصہ دو سوالوں کی شکل میں بیان کیا جاسکتا ہے:

- (۱) تم نے اس ادارہ کو ایک تربیت گاہ یا ایک علمی مرکز کے بجائے ایک تحریک اور وہ بھی آل انڈیا قسم کی تحریک کی صورت دیدی ہے۔ کیا اس سے تمہارا مقصد آل انڈیا انجمنوں میں ایک اور کا اضافہ کرنا ہے؟
 - (۲) تم نے مسلمانوں کی تمام انجمنوں پر حرجی کہ مسلم لیگ پر بھی، جو تم سے نسبتاً قریب تر تھی تنقید کر ڈالی۔ کیا تم اپنی ڈیڑھ اینٹ لگی گانگ چننا چاہتے ہو اور ان سب کے قریب کی حیثیت سے میدان میں آ رہے ہو؟
- ان دونوں سوالوں کا مختصر جواب ہم ایک ہی سلسلہ میں دیں گے۔

یہ گمان کہ ہم کوئی جمہوری یا عمومی تحریک (Mass-movement) لے کر اٹھ رہے ہیں، صرف اسی ایک بات کے آسانی دور ہو سکتا ہے کہ ہم نے رکن تو درکنار، معاون بننے کے لیے بھی اتنی کڑی قیود رکھی ہیں جو شاید کسی دوسرے ادارہ میں قیادت علی کے لیے بھی نہیں ہیں۔ اسی سے اندازہ کر لیا جاسکتا ہے کہ کم از کم مستقبل قریب میں تو یہ ادارہ کوئی عمومی تحریک نہیں بن سکتا۔ اس قسم کا خطرہ جن حضرات کے دل میں گذرا وہ شاید مسلمانوں کی طرف سے بہت ہی خوش گمان واقع ہوئے ہیں کہ اتنی سخت قیود کے باوجود وہ توقع

کہتے ہیں کہ اس حالت میں اس قوم کے درمیان ایسا ادارہ بھی ایک عمومی ادارہ بن سکتا ہے لیکن اگر فی الواقع ایسا ہو جائے، اگر لاکھوں آدمی دارالاسلام کا نصب العین لے کر اس کی سرکڑی طاقت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں جس کا نقشہ ہمارے دستور العمل میں پیش کیا گیا ہے تو یہ گھبرانے کی نہیں، خوشی کی بات ہوگی۔ وہ دن تو اسلام کی فتح کا دن ہوگا جس کی تمنا ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے نہ کہ خوف!

دستور العمل سے گذر کر جب آپ ہمارے لائحہ عمل کو دیکھیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ یہ لائحہ عمل کسی آل انڈیا قسم کی عمومی تحریک کا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک خشک، بے مزہ، سخت سخت طلب اور خاموش تعمیری پروگرام ہے جس کو عمل میں لانے کے لیے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی، ذہنی اور عملی صلاحیتوں کی ضرورت ہے، لگاتار عمل کی ضرورت ہے اور وہ بھی بے مزد و بے اجر، ایثار و قربانی کی ضرورت ہے اور وہ بھی صرف آسائش اور جذباتِ نفس ہی کی حد تک نہیں بلکہ مال اور جان کی حد تک بھی۔ کیا یہ چیز عوام کے طلب کی ہو سکتی ہے کہ اس کی طرف ان کے فوج در فوج متوجہ ہو جانے کا اندیشہ کیا جا سکے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم نے اپنے نظام کو ایک مقام پر محدود نہیں رکھا ہے بلکہ ان سب لوگوں کے لیے اس سے وابستہ ہونے کا موقع فراہم کر دیا ہے جو ہمارے ہم خیال ہوں، خواہ ہندوستان کے کسی گوشے میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ لیکن اس کا مدعا اس ادارے کو عام اصطلاحی معنوں میں آل انڈیا بنانا نہیں ہے بلکہ مقصد کچھ اور ہے ہمیں معلوم ہے کہ ہندوستان کے ہر کونے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اسی ایک نصب العین کے لیے جی رہے ہیں جو ہمارے پیش نظر ہے۔ ان میں سے بعض کی قوتیں منتشر مہمی و جذبہ میں ضائع ہو رہی ہیں، اور بعض مایوس بیٹھے ہوئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان سب کو ایک سبک میں منسلک کر دیں، تاکہ اس نصب العین کے لیے اجتماعی طاقت فراہم ہو سکے۔ انہی لوگوں میں سے، یا ان کے ذریعہ سے ہم کو اپنے کام کے آدمی مل سکیں گے ورنہ یہاں کس کے پاس اتنا وقت اور اتنا سرمایہ ہے کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں کام کے آدمی ڈھونڈتا پھرے۔ انہی

لوگوں کے ذریعہ سے ہم اپنے خیالات منظم طریقہ پر پھیلا سکیں گے، اور یہی لوگ آخر کار ان تربیت یافتہ آدمیوں کے لیے میدان عمل فراہم کریں گے جنہیں ہمارا ادارہ مختلف تعمیری خدمات کے لیے تیار کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام فوائد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ادارہ کے نظام کو وسیع نہ کیا جائے۔

بلاشبہ مسلمانوں کو ایک ایسی جمہوری تحریک کی بھی ضرورت ہے جو عوام میں بیداری پیدا کرے اور وسیع پیمانے پر منظم جدوجہد کر کے ہندوستان کی اجتماعی زندگی میں مسلمانوں کے لیے ان کی قوم کے شایان شان مرتبہ حاصل کرے۔ جو لوگ اس کام کے لیے موزوں ہیں ان کو یہی کام کرنا چاہیے لیکن اس جمہوری تحریک کی پشت پر ایک ایسی تعمیری تحریک کی بھی ضرورت ہے جو قوم کو بنانے والی حقیقی طاقت فراہم کرے، اور جمہوری حرکت کو حیات اجتماعی کی اصلی غذا ہم پہنچائے۔ صدیوں سے مسلمان اس حقیقت کو بھولے ہوئے ہیں کہ خلافتِ الہی کا قیام وہ واحد غرض ہے جس کے لیے ان کو ایک الگ قوم بنایا گیا ہے۔ اسی خود فراموشی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی قومی تحریکیں، اور ان کے کارکنوں کی طاقتیں ایسے مختلف راستوں پر پھینکتی رہی ہیں اور اب تک بھٹک ہی ہیں جن میں سے کوئی راستہ بھی سیدھا ان کی منزلِ مقصود کی طرف نہیں جاتا۔ لہذا کوئی جماعت ایسی بھی ہونی چاہیے جو ان کے سامنے اس نصب العین کو ہر وقت نمایاں اور روشن کرتی رہے، اور ان کی ہر جمہوری حرکت کو اسی کی طرف بڑھنے پر اکسائے اور اگر اس منہا سوز و تڑپ کسی مقام پر وہ ٹھہر رہے ہوں تو انھیں دھکیں کر آگے بڑھنے پر مجبور کرے۔ پھر وہ اصلی کمزوری جس نے مسلمانوں کو اپنے قومی نصب العین کی طرف پیش قدمی سے درماندہ کر رکھا ہے، یہ ہے کہ صدیوں کے ان کے ہاں اصولِ اسلام کی بنیاد پر تعمیر کا کام بند پڑا ہے، اور بعد کی نسلیں صرف اسی سرمایہ پر زندگی بسر کرتی رہی ہیں جو ابتدائی تین چار صدیوں میں ان کے قومی مہماروں نے فراہم کیا تھا۔ یہ سرمایہ اب بالکل ناکافی ہو چکا ہے۔ زندگی کے بدلے ہوئے حالات میں جسمِ قوم کے مسائل سے اب وہ دوچار ہو رہے ہیں ان کو

منفصل، مرتب، قابل عمل حل ان کو نہیں ملتا۔ ان کے ہاں عقائد اور اخلاقیات سے لیکر تمدنی، معاشرتی، سیاسی اور بین الاقوامی قوانین تک ہر چیز ہزار برس پرانی زبان میں ہے جسے اب کوئی نہیں سمجھ سکتا، اور ہزار برس پرانی زندگی سے وابستہ ہے جو آج کہیں موجود نہیں ہے۔ اگرچہ مسلمان اب بھی کبھی کبھی اسلامی حکومت کا نام زبان پر لے آتے ہیں، لیکن اگر کسی خطہ ارضی میں ان کو حکومت کا موقع مل بھی جائے تو صحیح منوں میں کوئی اسلامی حکومت قائم نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے پاس اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق ایک ترقی پذیر نظام تمدن و سیاست کو چلانے کے لیے کوئی چیز بھی مرتب نہیں ہے، حتیٰ کہ قرآن و سنت کے اصول و کلیات کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے والے بھی ان میں کہیں شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ترکی و ایران سبھی سلطنتوں کو مجبوراً فرنگی قوانین کی طرف رجوع کرنا پڑا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں بھی جو لوگ اس وقت اسلام کے نام سے ہماری قومی جمہوری حرکت کو چلا رہے ہیں، وہ غریب صحیح اسلامی اسپرٹ اور صحیح اسلامی اصولوں پر ہمارے قومی مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ پس ہماری جمہوری تحریک کی کامیابی کا، بلکہ ہماری قوم کے مستقبل کا انحصار اس پر ہے کہ ہماری ہاں ایک جماعت ایسی پیدا ہو جو اس حقیقی ضرورت کو پورا کرے جو ایک ایسا مخزن ہدایت ہو جس کی طرف ہر ضرورت کے موقع پر رجوع کیا جاسکے جس میں اتنی زبردست قوت محرکہ موجود ہو کہ موجودہ زمانہ کی غیر اسلامی تحریکات کا نہ صرف مقابلہ کر سکے بلکہ انکار کے نیلے کارخ اسلامی نصیب العین کی طرف پھیر دے، اور ابدی حکومت سے پہلے اسلام کی عقلی و دماغی حکومت قائم کرے۔ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی تہذیب محض سیاسی و فوجی طاقت کے بل پر قائم نہیں ہو سکتی۔ وہ اصلی طاقت جو کسی تہذیب کو قائم کرتی اور قائم رکھتی ہے، عقلی و دماغی طاقت ہے۔ تاہم تاریخوں، تلواروں اور زور سے اسلامی مملکتوں کا تختہ الٹ دیا، مگر وہ کوئی تہذیبی انقلاب نہ کر سکی، بلکہ خود ان کی تہذیب مغلوب ہو گئی جن کو انہوں نے تلواروں اور زور سے مغلوب کیا تھا، اس لیے کہ ان کے پاس عقلی و دماغی حکومت قائم کرنے والی کوئی طاقت نہ تھی۔ لہذا اگر ہمیں سیاسی طاقت حاصل ہو بھی جائے تو ہم اسلام کی حکومت دنیا کے کسی خطہ میں بھی قائم نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارے پاس قرآن کا صحیح فہم نہ ہو، اور اتنی صلاحیت نہ ہو کہ خالص قرآنی بنیادوں پر

کسی تہذیب و تمدن کی عمارت اٹھا سکیں۔

یہی دو کام ہیں جن کے لیے ادارہ دار الاسلام قائم کیا گیا ہے ہمیں اپنے کام اور اس کی نوعیت اور اس کے دائرے کا پورا شعور رہی، اور ہم اپنی تمام کوششوں کو اسی حد اندر محدود رکھیں گے جو اس کام کی فطرت چاہتی ہے۔ لہذا کسی جماعت کو یہ اندیشہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم ان کے دائرہ عمل میں مداخلت بجا کریں گے۔ بلکہ اگر وہ سمجھیں تو نہیں خود محسوس ہو جا گا کہ ہم ان کے رقیب نہیں بلکہ حقیقی خادم ہیں۔

رہیں مسلمانوں کی وہ مختلف جماعتیں جو اس وقت جمہوری تحریکیں چلا رہی ہیں، تو ہمیں معلوم ہے کہ ان میں سے کون ہمارے قریب تر ہے اور کون بعید تر لیکن ہم نے قصداً کسی خاص جماعت کی تائید حمایت کے احتراز کیا ہے تاکہ اس جتنے بڑی کدو میں، جبکہ اشخاص اور پارٹیوں کے لیس ہی تھی اور پٹل کے معیار بن کر رہ گئے ہیں، ہم کو کسی پارٹی کا نصیب سمجھ لیا جا۔ ہمارا خطاب عام ہے ہم ہر مسلمان کو اور مسلمانوں کی ہر جماعت کو اس کا وہ نصیب العین یاد دلاتے ہیں جو خدا اس کے لیے مقرر کیا، اور اس کو سزا دیتی ہے کہ یہ راستہ نہیں اس نصیب العین کی طرف لے جاوے اور وہ راستہ اس دور شہادت اور اللہ اب دل میں کی محبت ہوگی و اگر غلطی بھی کر رہا ہو تو اسے باز آجائی گا اور خود ہی اس سے پر چلا جا گا جو الہی نصیب العین کی طرف لے جائے والا ہے اور جو اشخاص یا پارٹیوں کی محبت میں گرفتار ہوگا، وہ اپنی ضد پر اڑ رہا ہوگا، اور اسکی حقیقتاً جہنمیں تو کس کا سامی ہم کس جاگی اور جنتیت مجموعی اسکے فتنے سے بچ جائیں گے۔

اسی طرح تنقید میں بھی ہم نے کبھی کسی کی حمایت یا مخالفت کو مقصود بالذات نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ اسلامی نصیب العین ہی ہمارا مقصود رہا ہے، اور ہم نے ہر اسلامی جماعت کو اس کی کوتاہیوں پر (خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت) صرف اس ضمن میں متنبہ کیا کہ وہ ان کا تدارک کر کے اس نصیب العین کی طرف پیش قدمی کر دے کی قوت و قابلیت ہم پہنچائے۔ ہر جماعت اور ہر زمانہ کو اسے بہت لوگوں کی تائید حاصل ہے جو اس کی غلطیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈالتے اور اس کی غیر مشروط حمایت کرتے ہیں۔ اس تائید نشیہ گرد میں کسی اشخاص کی حمایت نہیں۔ البتہ ایک ایسے درد مند دوست کی سبب ضرورت ہے جو انہیں ان کی کوتاہیوں سے باخبر کرے اور اس خدا کو صاف صاف میں سب سے برابری پر رضی ہو۔ ایک نقطہ نظر سے یہ چاہیے کہ آدمی کسی کو اپنا کر کے نہ رکھے۔ بلکہ ہر وقت نظر سے غفلت نہی کہ خدا کو اپنا کر لے۔

مقالات

دین میں تحریف اور بدعت کے اسباب

از افادات حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

جو صاحب سیاست کبریٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا دین لے کر آیا ہو جو تمام ادیان کا نسخہ ہو، اس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے دین کو فتنہ تحریف کی دست برد سے محفوظ کر دے۔ کیونکہ اس کی عام اور ہمہ گیر دعوت مختلف استعداد مختلف مزاج اور مختلف اغراض و مقاصد رکھنے والی جماعتوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرتی ہے۔

ایسا ہوا کرتا ہے کہ لوگ اپنی ہوا پرستی یا اپنے پہلے مذہب کی محبت کی وجہ سے یا مصالح شریعت کا کامل احاطہ نہ کرنے والی فہم نارسا کے اشارہ پر بہت سی منسوس تعلیمات شرع کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اور کبھی اس میں غیر شرعی تخیلات اور تعلیمات ٹھونس دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سارا دین مسخ اور درہم برہم ہو جاتا ہے جیسا کہ بہت سے قدیم مذاہب کی تاریخ گواہ ہے۔ لیکن چونکہ اس فتنہ کے دروازے بے شمار اور ان کی تعداد غیر متعین ہے اور سب کا استقصاء ممکن نہیں۔ لہذا شارع کے لئے ضروری تھا کہ امت کو اجمالاً سب تحریف سے ڈرا کر متنبہ کرے اور اس کے لئے چند ایسے اصولی مسائل کو مخصوص کرے جن کے بارے میں قیاس کہتا ہے کہ عموماً ہاتھ اون اور تحریف کے نشانی نوریع انسان میں انہیں راستوں سے گھسا کرتے ہیں، اور ان راستوں کو اچھی طرح بند کر دے۔ اس تہدید و انداز کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی شریعت میں ایسی چیزوں کو داخل کرے جو مسخ شدہ اور باطل غلامی کے اصولی اور شہوت ریز رسوم و شعائر کے بالکل مخالف

ہوں مثلاً نماز وغیرہ۔ تاکہ کوئی ظاہری تشابہ باقی نہ رہ جائے اور کسی پرانے مذہب کے شعائر سے ماہنت کا امکان باقی نہ رہے۔

تہاؤن | تحریف کے اسباب میں سے ایک تہاؤن ہے یعنی احکام شرع سے بے پروائی۔ تہاؤن کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کی تربیت یافتہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہونے لگے جو نماز کو ضائع کر کے شہوات کی پیروی میں غرق ہوں، علم و عمل اور تعلیم و تعلم کے ذریعہ دین کی اشاعت کا اہتمام چھوڑ دیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اور اس طرح چند روز بعد مخالف دین رسوم پیدا ہونے لگیں اور بحیثیت مجموعی عام طبائع انسانی کا رجحان مزاج شریعت کے خلاف ہو جائے۔ پھر ایسے دوسرے خلف آئیں جو شریعت سے بے اعتنائی کے اس جرم میں اور زیادہ آگے بڑھ جائیں یہاں تک کہ علم دین کا اکثر حصہ نسیا منسیا ہو کر رہ جائے۔ یوں تو امت کے ہر طبقہ کا تہاؤن خطرناک اور مضرت رساں ہے مگر جب اس کا صدور رؤسا و اکابر قوم سے ہو تو پھر اس کی مضرتوں کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اسی سبب سے حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کی شریعتیں برباد ہو گئیں اور آج اس کے اصلی خط و خال کا سراغ لگانا قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

تہاؤن کے چند اسباب و ذرائع ہیں۔

(۱) پہلا سرچشمہ تہاؤن کا صاحب شریعت کی روایات کو محفوظ نہ رکھنا اور ان کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔

مندرجہ ذیل ارشاد نبویؐ اسی فتنہ سے باخبر کر رہا ہے :-

”دیکھو! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب طعام و شراب سے ایک بدست انسان اپنے تخت پر بیٹھ کر کہے گا کہ تم اس قرآن کو مضبوط پکڑ لو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ اسی کو حرام سمجھو اور جس شے کو حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو۔ حالانکہ خدا کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز بھی ویسی